مولانا عبیداللہ سندھی اور روزانہ انقلاب لاہور

چند تاریخی تحریریں

روزانہ انقلاب، لاہور میرے مطالعے میں آیا تو میں نے اس میں سے جو چیزیں نقل کر لی تھیں ان میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے بارے میں بعض اداریے، شذرے اور مضامین بھی تھے۔ چونکہ یہ تحریریں مولانا مرحوم کے بارے میں گوناگوں معلومات اور بعض افکار کا خزینہ ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ انھیں مرتب کر دیا جائے خصوصاً مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب کی تحریروں کا شمار تو نوادرِ علمیہ و ادبیہ میں ہوتا اس لیے ان کی تالیف و ترتیب ایک علمی اور ادبی ضرورت محسوس ہوئی۔

۱۹۱۵ء میں مولانا عبیداللہ سندھی ہندوستان سے روانہ ہوئے تھے، تو ان کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی ہی قوت بازو سے ہندوستان کو آزاد کرا دیں گے۔ اس وقت ان کے کاموں کا انداز بالکل مختلف تھا۔ لیکن جب افغانستان میں مختلف مدبرین سے ملاقاتیں کیں تو انھیں اندازہ ہوا کہ ملک کی آزادی کے لیے غیر مسلم قوتوں سے اتحاد اور مشترکہ جدوجہد بہت ضروری ہے۔ اس وقت سے ملک کی آزادی کے لیے ان کے کام کرنے کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ افغانستان میں آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت کے قیام میں ان کی مساعی اور اس میں ان کی شرکت اور کابل میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کی شاخ کا قیام ان کے اسی طرزِ فکر کے عملی اقدام تھے۔ پھر جب انھوں نے روس، ترکی اور اٹلی وغیرہ کا دورہ کیا اور بین الاقوامی سطح کے مدبرین سے ملاقاتیں ہوئیں تو ان کا یہ خیال اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا چنانچہ جب ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی ہندوستان واپس تشریف لائے تو ان کی سیاست کی بنیاد ہندو مسلم اتحاد اور دونوں بڑی قوموں کی مشترکہ جدوجہد پر قائم تھی وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ملک میں فرقہ وارانہ مسئلہ پیدا کر کے تیسری قوت (انگریز) کو فائدہ اٹھانے کا کوئی ادنیٰ موقع دیا جائے۔

مولانا غلام رسول تہر کی صحافت کا یہ وہ دور تھا جس میں وہ مسلم لیگ کی قیادت سے متاثر اور فرقہ وارانہ جذبات سے مغلوب تھے اس لیے انھیں مولانا سندھی کے خیالات سے تشویش پیدا ہوئی جس کا اندازہ ان کے مارچ ۱۹۳۹ء کے لیڈنگ آرٹیکل سے کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مولانا تہر مرحوم کی صحافت کا انداز تو ۱۹۴۶ء کے وزارتی مشن کے منصوبے اور مسلم لیگ کے اسے منظور کر لینے تک یہی رہا۔ لیکن مسلم لیگی قیادت کے بارے میں ان کا بنیادی اعتقاد متزلزل ہو گیا تھا اور اس کے باوجود کہ مسلم لیگ نے بعد میں وزارتی مشن کی منظوری واپس لے لی تھی، اس کی قیادت پر اعتماد میں جو دراڑ پیدا ہو گئی تھی وہ دور نہ ہو سکی ۱۹۴۷ء میں لیگی قیادت کی بصیرت کے مشاہدے، واقعات و حالات کے تجربات، مسلم لیگی حکومت کی نااہلیوں اور لیگی لیڈروں کی لوٹ کھسوٹ تو وہ اپنی غلطی کو نہ صرف محسوس کرنے بلکہ اس کا اعتراف کرنے لگے تھے۔

اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا سندھی کے انتقال (۱۹۴۴ء) کے زمانے تک ان کی سیاست اور امامت کا انداز بدل گیا تھا البتہ اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا سندھی کے بارے میں ان کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی اس قسم کی کوئی تشویش باقی نہیں رہی تھی۔ وہ مولانا سندھی کو بہت بڑا عالم دین، مدبر، انقلابی، قرآن حکیم کا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و معارف میں گہری نظر و بصیرت رکھنے والا شارح اور معلم سمجھتے تھے

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ۱۹۱۵ء میں افغانستان کا سفر اختیار کیا تھا تو تہر صاحب کی طالب علمی کا زمانہ تھا، لیکن اس کے بعد کے واقعات اور مولانا سندھی کی کارگزاریوں پر ان کی گہری نظر رہی تھی اور جب ۱۹۳۹ء میں تہر صاحب نے حجاز کا سفر کیا تھا اور مولانا کی خدمت میں نیاز حاصل کیا تھا تو وہ ان سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے سفرنامۂ حجاز میں مولانا سندھی مرحوم کا ذکر کئی مقام پر بہت عقیدت اور احترام سے کیا ہے ان کے علم و فضل خصوصاً علوم و معارف ولی اللہی میں ان کی نظر و جہد کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا رسول تہر کے علاوہ چند دیگر حضرات مثلاً شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، مولوی خدا بخش اور مفتی ضیاء الحسن کی تحریریں ہیں۔ ان سے بھی مولانا سندھی مرحوم کی زندگی، افکار، خدمات اور سیرت کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان تحریروں کا مطالعہ قارئین کرام کے لیے دلچسپی اور افادیت سے خالی نہیں ہو سکتا۔

۱۲ مئی ۱۹۳۸ء کو انقلاب میں یہ مختصر خبر شائع ہوئی:

"مولانا سندھی کو ہندوستان واپس آنے کی اجازت مل گئی حکومت ہند نے حکومت سند کو مطلع کر دیا۔"

الولی حیدرآباد

۲۔ ۱۵ر مئی ۱۹۳۸ء کو انقلاب میں لیڈر (اداریہ) شائع ہوا۔

مولانا عبیداللہ سندھی

"حضرت مولانا ۱۲ر سال سے مکہ معظمہ میں مقیم ہیں اس دوران میں وہ صرف علمی و دینی کاموں میں مشغول رہے ہیں۔ اگر اخبار ہند کی اطلاع درست ہے تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ حضرت مولانا جلد سے جلد حجازِ مقدس سے اپنے وطن کی طرف روانہ ہوجائیں گے اور من قریب ہم آپ کی زیارت سے شادکام ہوسکیں گے

حضرت مولانا کو فہم قرآن حکیم اور حقائق و معارف دینیہ میں جو عدیم المثال تبحر اور درجۂ اجتہاد حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ حضرت ممدوح ہندوستان تشریف لانے کے بعد خاص دینی خدمت کے لیے ایک مرکزی ادارہ قائم کرلیں، جہاں دورِ حاضر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دہریت والحاد کی آنکھوں سے بچانے اور از سرِ نو مسلم قانت بنانے کے لیے سلسلۂ دعوت وارشاد جاری کردیں۔ چونکہ بعض جلیل القدر اہل علم سیاسیات میں بے حد فعّال ہونے کی وجہ سے اصلاحِ عقائد کے ضروری کام کے لیے وقت نکالنے سے قاصر رہے ہیں اس لیے مسلمانانِ ہند کو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی دینی رہنمائی کی اشد ضرورت ہے"۔

۳۔ ۷ر مارچ ۱۹۳۹ء کو مولانا عبیداللہ سندھی تقریباً چوبیس سال کی جلاوطنی کے بعد وطن واپس پہنچ گئے۔ حضرت مولانا کے وطن واپس تشریف لانے کی تقریب سے ۱۱ر مارچ ۱۹۳۹ء کو انقلاب نے مندرجۂ ذیل اداریہ شائع کیا:

مولانا عبیداللہ سندھی

"حضرت مولانا عبیداللہ سندھی طویل مدت کے بعد پھر اپنے وطن میں آپہنچے ہیں، جس کی آزادی، خوش حالی بہتری، بہبود کے لیے حضرت مولانا نے اپنے انداز میں بیش بہا قربانیاں پیش کیں ان کی واپسی کے لیے آج سے ۹ برس پیشتر جو تحریک، سرگرمی، التزام اور اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی تھی، خدا کا شکر ہے کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچی اور آج وہ بزرگ ہستی ہندوستان پہنچ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا سے محترم کا والی و ناصر ہو، انھیں طویل عمر عطا کرے، کامل صحت سے بہرہ ور رکھے اور بدستور سابق مرضات کی شاہراہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔

باقی رہا ان کی سیاسیات کا مسئلہ ہم اس کے متعلق سردست کوئی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے بعض اصحاب نے ان کی آمد کو کانگریس کے حق میں اور مسلم لیگ کے خلاف استعمال کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ حتیٰ کہ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون کی دعوت قبول نہ کرنے کو بھی لیگ کے خلاف استعمال کیا حالانکہ یہ دعوت سر عبداللہ ہارون اور مولانا کے قدیم ذاتی تعلقات پر مبنی تھی اور اس کے قبول اور عدم قبول کا معاملہ بالکل معمولی تھا لیکن ہمیں اس باب میں کوئی اضطراب اور پریشانی نہیں، ہم مولانا کو جانتے ہیں۔ ان کی حق پرستی وبے باکی، جرأت و دلیری سے آگاہ ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تعلیمات کے بہترین داعی، بہترین شارح اور بہترین پابند ہیں اور ان کی سیاسیات کا سرچشمہ خالص دینی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہندوستان کے اندر کچھ مدت گزار کر تمام حالات وکوائف کا پورا مطالعہ فرمائیں اور مختلف دوستوں اور نیاز مندوں سے مل کر سب کچھ معلوم کر لیں گے تو انہیں لیگ اور کانگریس کے متعلق صحیح فیصلے میں تامل نہ ہوگا اور خدا کے فضل سے وہ فیصلہ ملت اسلامیہ کے لیے مسرت کا باعث ہوگا

لیکن اگر خدانخواستہ یہ فیصلہ مسرت کا باعث نہ ہوا تو اس حالت میں بھی لیگ اور وابستگان لیگ یا بالفاظ واضح تر ملت اسلامیہ کے لیے تشویش کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حضرت مولانا عبیداللہ ایک انسان ہیں، ان کی ذاتی عظمت وشخصیت مسلم، ان کی ذاتی قربانیاں قابل صد احترام، لیکن ملت کی فلاح کے مقابلے میں افراد کی حیثیت بالکل ہیچ ہوتی ہے اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ چند دوسرے افراد میں سے جو دانستہ یا نادانستہ سالہا سال سے ملت کے مقاصد کے خلاف کام کر رہے ہیں، مولانا کا بھی اضافہ ہو جائے۔ لیکن لیگ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے مولانا کے کسی غیر مناسب فیصلے کی بنا پر ملت اسلامیہ کو معزز وسربلند کرنے کا راستہ بند نہیں ہو جائے گا۔

ہم مولانائے محترم کے منتظر ہیں کہ وہ لاہور آجائیں گے تو ہم ان کی باتیں سنیں گے اور ہم اپنی داستان سنائیں گے ہمیں امید ہے کہ مولانا کا آخری فیصلہ باعث مسرت ہوگا لیکن مفصل مذاکرات کے بغیر ان کے متعلق کسی متفرق الاطلاع کی بنا پر حاملانہ نکتہ چینی کے لیے تیار نہیں ہو سکتے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ مولانا بھی سارے امور کے متعلق براہ راست پوری معلومات بہم پہنچائے بغیر کوئی ایسی بات نہیں فرمائیں گے جو ان کے ہزاروں نیاز مندوں کے لیے خواہ مخواہ باعث تشویش ہو۔

۴. اوپر کے اداریے میں سر عبداللہ ہارون کی دعوت کو رد کر دیے جانے کا ذکر آیا ہے، اس واقعہ کی حقیقت کیا تھی اور غلط فہمی کیونکر پیدا ہوئی اس سلسلے میں (شیخ التفسیر) مولانا احمد علی لاہوری کا ایک مضمون ۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء کے انقلاب میں (صفحہ ۳) شائع ہوا تھا۔ اس سے دعوت سے انکار کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

نوائے وقت کا اداریہ یہ ہے:

مولانا عبیداللہ سندھی اور لیگ کی دعوت

ایک افسوسناک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا ممدوح کے ساحل کراچی اپر اترنے کے بعد سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کا دعوتِ قیام دینا اور مولانا کا انکار کرنا کسی نامہ نگار کے ذریعے سے اخبارات میں درج ہو چکا ہے اخبارات نے اس دعوت اور مولانا کے انکار کو کانگریس اور لیگ کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے اور ہر ایک اپنے خیال کے مطابق اپنے مقالوں میں تبصرہ کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ سرے سے غلط ہے

برادرانِ اسلام کی واقفیت کے لیے اصل واقعہ عرض کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ مولانا ممدوح کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت مولانا ممدوح کے استقبال کے لیے میں ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو ساحل کراچی پر موجود تھا۔ مولانا کو ساحل کراچی پر اترنے سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں حضرت مولانا محمد صادق صاحب صدر جمعیت علماء سندھ نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی اس کے شیخ عبدالمجید صاحب سیکریٹری مسلم لیگ نے بھی مولانا کے ہاں دعوت نامہ مکہ معظمہ ہی کے زمانہ قیام میں ارسال فرما دیا تھا کہ آپ جب کراچی تشریف لائیں تو میرے ہاں قیام فرمائیں۔

مولانا نے مکہ معظمہ ہی سے مولانا محمد صادق کے نام گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا کہ اگرچہ شیخ عبدالمجید صاحب نے مجھے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی ہے، مگر چونکہ آپ میرے استاد بھائی ہیں اس لیے میں آپ ہی کے ہاں قیام کروں گا۔ چنانچہ یہ خط بذریعہ ہوائی ڈاک مولانا محمد صادق صاحب کو مولانا عبیداللہ صاحب کے کراچی تشریف لانے سے ایک دن پہلے ۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو موصول ہوا۔ مولانا موصوف نے میرے سامنے وہ خط شیخ عبدالمجید صاحب کے ہاں ملاحظہ کے لیے ارسال فرمایا۔ شیخ صاحب نے اس خط کو دیکھ کر فرمایا کہ مولانا محمد صادق کا گھر بھی ہمارا اپنا ہی ہے اس لیے مجھے وہاں ان کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے

لہٰذا یہ غلط ہے کہ سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب نے مولانا کو جہاز سے اترنے کے بعد دعوت دی اور آپ نے انکار فرمایا۔ بلکہ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون تو اس وقت بندرگاہ پر موجود ہی نہ تھے (سیٹھ صاحب کی طرف سے دعوت نامہ بہت پہلے جا چکا تھا۔ مولانا کی تشریف آوری کے وقت سیٹھ صاحب کراچی میں موجود نہ تھے، بلکہ اسمبلی کے اجلاس کے لیے دہلی میں تشریف فرما تھے۔ انقلاب) البتہ شیخ عبدالمجید صاحب سیکریٹری مسلم لیگ (صوبہ سندھ) وہاں موجود تھے اور بندرگاہ سے جب مولانا مرحوم اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے جو کہ مولانا محمد صادق صاحب نے ان کے لیے اپنے ہاں تجویز کی ہوئی تھی، تو وہاں شیخ عبدالمجید صاحب اسی وقت پہنچ گئے۔ اس وقت ہندو مسلمانوں کا ایک مجمع کثیر مولانا کے گرد جمع تھا۔ اس میں مولانا نے یہ فرمایا کہ میں کانگریسی ہوں اور ہمیشہ کانگریس ہی کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔ البتہ جن مسلمانوں کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات پہلے سے چلے آ رہے ہیں، ان کے ساتھ میرے تعلقات ویسے ہی رہیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد اسی دن مولانا نے سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے مکان پر جانے کا ارادہ کیا۔ بعض دوستوں نے مولانا سے عرض کیا کہ سیٹھ صاحب آج کل یہاں نہیں ہیں۔ مولانا نے فرمایا: "پھر بھی میں اپنی دوستی کا فرض ادا کرنے کے لیے ان کے مکان پر ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ مولانا گئے اور بیگم صاحبہ سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون نے مولانا کی تشریف آوری کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا اور مولانا کے ہاں سیٹھ صاحب کی طرف سے زنانہ موٹر بھجواتی رہیں تاکہ مولانا صاحب جہاں کہیں تشریف لے جانا چاہیں ان کی موٹر پر سوار ہو کر جائیں۔

اس واقعے سے ہر سلیم الفطرت انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ مولانا کے تعلقات سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب کے ساتھ کیسے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا نے لیگ والوں کی دعوت کو قبول نہیں فرمایا اور کانگریسیوں کے ہاں قیام فرمایا۔ اس الزام کا جواب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کے اُس خط میں موجود ہے جو انھوں نے مولانا محمد صادق صاحب کو مکہ معظمہ سے لکھا تھا، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ مولانا نے اُن کے ہاں استاد بھائی ہونے کی وجہ سے قیام فرمایا ہے۔

احقر الانام
احمد علی عفی عنہ

٥. اس مسئلے پر مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب، نے اداریہ بھی تحریر فرمایا تھا جو انقلاب کی اسی اشاعت میں اسی صفحہ پر (۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۲) درج ہے، اداریہ یہ ہے:

مولانا عبید اللہ سندھی اور سر عبداللہ ہارون

مولانا عبید اللہ سندھی کراچی پہنچے تو ایک پیغام میں بتایا گیا تھا کہ انھوں نے سر عبداللہ ہارون کی دعوت مسترد کر دی اور ایک کانگریسی کی دعوت قبول کر لی۔ اس واقعے کو لیگ کی تذلیل کا ذریعہ بنایا گیا۔ لیکن اب مولانا احمد علی صاحب نے ایک مکتوب کے ذریعے سے واضح فرما دیا ہے کہ مولانا عبید اللہ کو ان کے متعدد سندھی دوستوں نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی تھی لیکن مولانا نے اپنے ایک دوست و بھائی (مولانا محمد صادق) کی دعوت قبول کی اس لیے نہیں کہ وہ کانگریسی تھے، بلکہ اس لیے کہ وہ مولانا کے استاد بھائی تھے۔ گویا دعوتِ قیام کے قبول اور عدم قبول کو مولانا کے سیاسی افکار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سر عبداللہ ہارون اگرچہ مولانا کی تشریف آوری کے موقع پر کراچی میں موجود نہ تھے وہ اسمبلی کے اجلاس کے لیے دہلی گئے ہوئے تھے لیکن مولانا اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر سر عبداللہ ہارون کے گھر تشریف لے گئے۔ بیگم صاحبہ سر عبداللہ ہارون نے ان کی انتہائی تواضع کی۔ بیگم صاحبہ کے حکم کے مطابق سیٹھ صاحب کی موٹر روزانہ مولانا کی قیام گاہ پر پہنچتی رہی، تاکہ وہ جہاں کہیں آنا جانا چاہیں انہی کی موٹر استعمال کریں۔ مولانا احمد علی صاحب فرماتے ہیں

"اس واقعے سے ہر سلیم الفطرت انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ مولانا کے تعلقات سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے ساتھ کیسے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا نے لیگ والوں کی دعوت کو قبول نہیں فرمایا اور کانگریسیوں کے ہاں قیام فرمایا؟

واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبید اللہ نے مولانا محمد صادق صاحب کے ہاں صرف استاد بھائی ہونے کی وجہ سے قیام فرمایا۔"

۶۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو مولانا عبید اللہ سندھی کراچی سے لاہور پہنچے اس موقع پر انقلاب نے ان کی آمد کی خوشی میں مندرجہ ذیل نوٹ شائع فرمایا۔ یہ نوٹ مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب کے قلم سے ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی لاہور میں

"اے آمدنت باعثِ آبادیِ ما"

لاہور ۲۳ مارچ، ۲۳ کی شام کے چھ بجے کراچی میل سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے چوتھائی صدی سے

بعد لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ہزارہا زندان توحید کو شرف زیارت بخشا ۔ تکبیر کے نعروں سے ریلوے اسٹیشن گونج اٹھا ، احرار اور خاکسار کے باوردی رضاکاروں کے جیش حاضر تھے انھوں نے استقبال کیا اور بینڈ باجوں کے نغموں سے اس مجمع میں عجیب کیفیت کا عالم پیدا ہوگیا ۔

معززین میں کانگریسی ، مسلم لیگی ، احراری ، خاکسار ، علماء ، غرض ہر طبقے کے حضرات موجود تھے حضرت مولانا شائقین زیارت کے ہجوم میں سے بڑی مشکل سے ریلوے اسٹیشن کے باہر پہنچے اور میدان میں اجتماع عوام کے سامنے ایک مختصر تقریر فرمائی اس کے بعد موٹر کار میں سوار ہوکر مولانا احمد علی ناظم انجمن خدام الدین کے دولت کدے پر تشریف لے گئے جہاں آپ قیام فرما ہیں ۔

ہر طبقے اور عقیدے کے لوگ حضرت مولانا سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لیے حاضر ہو رہے ہیں ۔ غالباً مولانا ۲۴ ، یا ۲۵ ، مارچ کو لاہور سے تشریف لے جائیں گے ۔

مدیران انقلاب کو حضرت مولانا کی خدمت گرامی میں خصوصی نیازمندی کا شرف حاصل ہے ۔ اسٹیشن پر بھی حاضر ہوئے تھے ، لیکن ہجوم کی کثرت کے باعث ملاقات نہ ہوسکی تھی ۔ آج کام سے فارغ ہوکر حضرت مولانا کے پاس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ خود حضرت نے ازراہِ شفقت و محبت میاں افتخار کے غریب خانے کو اپنے قدوم سے مشرف فرمایا اور دو گھنٹے تک وہاں تشریف فرما رہے ۔

حضرت کا آئندہ پروگرام ابھی تک طے نہیں ہوا ۔ لیکن خیال ہے کہ ایک دن کے لیے دیوبند ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے جائیں گے دہلی سے یکم اپریل تک کراچی پہنچیں گے ۔ جہاں بعض ضروری کام درپیش ہیں ۔ اب کے لاہور میں مولانا کا قیام بہت قلیل مدت کے لیے ہے ، لیکن کراچی میں ضروری کاموں سے فارغ ہوکر وہ زیادہ وقت کے لیے لاہور تشریف لائیں گے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ح

ہزار بار برو صد ہزار بار بیا "

۔ مولانا عبیداللہ سندھی کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریس سے مل کر تحریک آزادی میں حصہ لینے کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور ہندو مسلم اتحاد بھی مولانا مسلمانوں اور اسلام کے مفاد کے نقطۂ نظر سے ناگزیر خیال فرماتے تھے ۔ ان خیالات کا اظہار وہ اپنی پبلک تقریروں اور نجی مجلسوں میں برابر کرتے تھے یہی زمانہ تھا کہ مسلم لیگ کے اصاغر و اکابر ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں میں قائم کانگریس کی حکومتوں کے خلاف ایک سخت ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور اسلام پر کفر کی یلغار اور اس کے مقابلے اور مزاحمت کو اسلامی فریضہ

جہاد قرار دیتے تھے اور جنگ کے مسئلے پر برٹش حکومت سے تعاون کی پیش کش میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور اپنی وفاداری ثابت کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر کا مسلم لیگ سے اتفاق و تعاون میں انتہا کی حد کو پہنچا ہوا تھا۔ مولانا مہر مرحوم لیگ کے مؤید تھے۔ اور مولانا سندھی مرحوم سے بھی اخلاص و عقیدت کا رشتہ رکھتے تھے۔ اس لیے فطری بات تھی کہ انھیں مولانا سندھی کے خیالات سے تشویش ہو۔ یہ بعد کی بات ہے کہ وہ مسلم لیگ کی پالیسی اور اس کے رہنماؤں کے رویے سے مایوس ہوئے۔

زیر نظر مضمون مولانا مہر صاحب نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء کے انقلاب میں (صفحہ ۳) یہ طور لیڈنگ آرٹیکل شائع کیا تھا اس میں مولانا مہر مرحوم کی تشویش کا صاف اظہار موجود ہے، آرٹیکل یہ ہے:

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی

بیاکہ بے تو غم از خاطرم بدر نہ رود
وداع از دل و ہجرانم از نظر نہ رود

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کراچی سے آتے ہوئے لاہور آچکے ہیں اور ان سطور کے شائع ہونے تک شاید وہ دیوبند اور دہلی تشریف لے جائیں گے جہاں سے انھیں یکم اپریل تک کراچی پہنچنا ہے ہم ان کی خدمت میں دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سرزمین وطن میں ان کی اس تشریف آوری کو ہر اعتبار سے ملت اور قوم کے لیے بابرکت بنائے اور جن یگانہ خصوصیات علم و عمل نے انھیں نہ محض ہندوستان ہی میں بلکہ بیرون ہند کے اکثر دوائر میں بھی محترم و معزز بنایا ہے وہ خصوصیات یہاں بہتر سے بہتر اغراض کے لیے استعمال ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس محترم وجود کی لطف پرور صحبت کا ایک ایک لمحہ حرم پاک میں راقم الحروف کے لیے زندگی کا گراں بہا سرمایہ تھا اور ہندوستان میں اس محترم وجود کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے اسباب آج سے آٹھ نو برس پیشتر بہ ظاہر بالکل مفقود نظر آتے تھے، آج وہ وجود ہمارے درمیان پہنچ گیا ہے۔ زندگی کی یہ بھی عزیز ترین آرزو تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ پوری ہو گئی۔

ارکانِ بزم:

ہم ابھی طالب علمی کی بے فکر اور فارغ البال زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حضرت مولانا کے

وہ مدتوں سے قوم و ملت کی سربلندی کے عشق میں جلیبہ ان کی صحبتوں اور نشستوں سے جو حقیقت اور دلی خروش سے غیر معین مدت کے لیے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ علاوہ ازیں ان میں متعدد اصحاب سے ایک گہرے تعلق کے علاوہ ان کا دعوت و خروج داری کے تعلقات میں بھی حصہ تھا اور جنہوں نے مقاصد کے لیے بہت سے گوناگوں رشتوں کا انقطاع وان سے کامل بیگانگی برتنا کوئی کام نہیں۔

جس مجلس علم و عمل سے الگ رہ کر وہ تقریباً باہر نکل گئے ۲۰ رو اس کے اکثر ارکان بھی ملک حقیقی کے دربار میں پہنچ گئے ہیں آج حضرت شیخ الہند، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی مولانا شوکت علی اور حضرت علامہ اقبال (رحمہم اللہ تعالیٰ) اس دنیا میں موجود نہیں ہیں جو مولانا کی قرابت پر بلیہ مقدم رکھنے اور ان کے ساتھ مساوی حیثیت میں گفتگو کرنے کے حقیقی اہل تھے ہماری بابرکت مجلس کے اکثر اکابر رخصت ہو گئے اب تو زیادہ تر ہمارے جیسے خام باقی رہ گئے ہیں لیکن ہمیں حضرت علامہ اقبال کی زبان میں مولانا محترم سے یہ عرض کرتے ہوئے تامل نہیں ہونا چاہیے کہ

بیا یک لحظہ با عاماں در آمیز   کہ خاصاں بادہ ہا خوردند و رفتند

آئندہ پروگرام:

مولانا کو ہندوستان پہنچے ہوئے تقریباً دو ہفتے گزر چکے ہیں وہ اپنی جلاوطنی کے کسی دور میں بھی اس سرزمین کے حالات سے ناواقف نہیں تھے اور گزشتہ بارہ تیرہ برس کی مدت میں تو انہیں سب کچھ معلوم ہوتا رہا جو ہندوستان سے باہر بیٹھا ہوا کوئی شخص اخبارات سے یا مختلف افراد سے معلوم کر سکتا ہے لیکن یہ عرض کرنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ ان میں سے کوئی ذریعہ معلومات بھی ہندوستان سے باہر بیٹھے ہوئے انسان کے لیے ہر اعتبار سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور جن لوگوں کو ملی و مجلسی جماعتوں اور گروہوں کے لیے عمل کے پروگرام تیار کرنا ہے اور ان پروگراموں پر عمل کرانا ہے، ان کے لیے محولہ بالا وسائل معلومات کافی نہیں سمجھے جا سکتے۔ ضروری ہے کہ حضرت مولانا کو دائرہ عمل میں بیٹھ کر براہ راست اور بلا واسطہ حالات جاننے کا موقع ملے اس لیے تھوڑا سا وقت درکار ہے ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ان کا کوئی فیصلہ مسلمانان ہند کے لیے باعث تشویش نہ ہوگا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود اور آزادی کا ہر مخلص آرزو مند اور نیک نیت ساتھی خواہ وہ کسی قوم اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو، اس فیصلے کے خیر مقدم میں تامل نہیں کر سکتا۔

نکتہ چینی میں جلدی نہ کرو:

حضرت مولانا کی جو تحریریں اور بیانات اس وقت تک اخباروں میں شائع ہوئے ہیں ہمیں ایک لمحے کے توقف کے بغیر کہہ دینا چاہیے کہ وہ ہمارے لیے خوشی کا سامان نہ تھے۔ لیکن ہم ان پر ابھی تک جرح ونقد کے لیے تیار نہیں ہیں مولانا کے سیاسی و دینی معتقدات کے اصول واساسات سے ہمیں تو اپنی بساط کے مطابق کافی آگاہی حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اصول واساسات بدل نہیں سکتے۔ اس لیے کہ ان کا مبنیٰ عام انسانی خیالات وافکار نہیں ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت مولانا کو اطمینان کے ساتھ یہاں کی تمام تحریکات اور ان کے کارکنوں کا بلا واسطہ مطالعہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ تو ان کی زبان مبارک پر کبھی ایسے الفاظ نہیں آئیں گے، جو آج مخلص نیاز مندوں کے لیے باعث تشویش بن سکتے ہیں۔ لہٰذا سب سے ہماری استدعا ہے کہ وہ انتظار کریں اور نکتہ چینی میں عجلت نہ کریں بلکہ مولانا کو اطمینان سے بیٹھ کر سب کچھ دیکھنے اور پروگرام مرتب کرنے کا موقع دیں۔ ان کی ساری سیاسی زندگی کی اصل و اساس دین ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے بے باکی اور حق گوئی کی دولت سے بہ درجۂ اعلیٰ سرفرازی بخشی ہے۔ ایسے بزرگ کے کسی کلمے کو جو یہاں کے احوال سے براہ راست پوری معلومات میسر نہ ہونے پر محمول ہو سکتا ہے، سرمایۂ تشویش نہیں بنانا چاہیے۔

ملت پر ہر چیز مقدم ہے:

لیکن اگر خدا نخواستہ سارے حالات کے گہرے مطالعے کے بعد بھی حضرت مولانا کا فیصلہ وہ نہ ہو جو ہماری ناچیز رائے کے مطابق ہونا چاہیے تو پھر ہمارا راستہ بالکل صاف اور واضح ہے کہ شخصیتوں کے زیادہ سے زیادہ احترام کے باوجود ہم انھیں اصول واساس پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ کوئی شخصیت خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، لیکن اس کی خاطر قوم کی فلاح وبہبود اور مستقبل کو قربان نہیں کر سکتا اس صورت میں ہمارا کام یہ ہوگا کہ مولانا سے علی الاعلان اختلاف کریں۔ اس لیے کہ ہمارا رشتہ مولانا سے خون کا نہیں، جسم کا نہیں بلکہ محض حق پرستی، سچائی اور ملت دوستی کا ہے ان کی عظمت اس میں نہیں کہ وہ ایک خاص قد اور خاص وضع کے انسان ہیں بلکہ ان کی عظمت، ان کے ایثار، قربانی بے باکی اور ملت دوستی پر مبنی ہے۔

عرضِ نیاز:

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ گذارشات حضرت مولانا کی خدمت میں، نیز اپنے اُن ہزاروں بھائیوں اور رفیقوں

کی خدمت میں پہنچا دیں جو مولانا کی بعض تقریروں اور بیانات سے متاثر ہو کر اپنی تشویش مکاتیب کے ذریعے سے یا شخصاً ہمارے پہنچا رہے ہیں۔

آخر میں ہم مولانا کی خدمت میں ادب کے ساتھ دوبارہ ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ انھیں طویل عمر عطا ہو، ان کا وجود مبارک ہیئتِ اسلامیت کے لیے باعثِ فخر رہا ہے خدا کرے کہ ہندوستان کے مسلمان اور دوسری قومیں ان کی ذات گرامی سے بوجہِ احسن مستفید ہوں۔

باقی رہے ہم تو ہماری التجا حضرت کی خدمت میں محض یہ ہے کہ۔

برآستانہ برسے لی نما نظیری را
کہ قدرِ مجلسِ خاصاں بہ ایں قدینہ رود"

۸۔۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو دین پور میں مولانا کا انتقال ہو گیا اس موقع پر انقلاب لاہور کی اشاعت مورخہ ۲۵ اگست میں مولانا سندھی کے شاگرد مولوی خدا بخش (سکریٹری بیت الحکمت، بازار ڈوگراں، لاہور) کا ایک مختصر تعارفی مضمون شائع ہوا۔ مضمون یہ ہے:

مولانا عبیداللہ سندھی کا انتقال

"لاہور، ۲۲ اگست۔ آج صبح بیت الحکمت لاہور میں ایک تار موصول ہوا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا عبیداللہ سندھی ہندوستان کے نامور انقلابیوں میں سے تھے۔ آپ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے، سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ دیوبند میں تعلیم کی تکمیل کی اور رفتہ رفتہ دیوبندی تحریک کے سب سے بڑے علم بردار شیخ الہند مولانا محمود حسن کی جماعت میں شامل ہوئے اور ان کے حکم سے ۱۹۱۵ء میں کابل گئے، جہاں افغانستان کے انقلاب میں براہ راست حصہ لیا اور امیر امان اللہ خان کی حکومت کی رہنمائی کرتے رہے۔ سات سال قیام کرنے کے بعد وہاں سے ماسکو گئے۔ جہاں آپ نے روس کے سوشلسٹ انقلاب کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا اور سنٹرل پارٹی کے اونچے طبقے کے لوگوں سے سات ماہ تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے اس کے بعد آپ چار سال تک کمالی ترکی میں مقیم رہے اور ترکی انقلاب کا قریب مقام سے مشاہدہ و مطالعہ کیا۔ قدرت سے طبیعت دقیقہ رس

پائی تھی ۔ اس لیے بہت جلد نتائج کی تہ تک پہنچ جاتے تھے ۔ ترکی سے آپ حجاز تشریف لے گئے ! اور وہاں بارہ سال کے قیام کے بعد مدہ پ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان تشریف لائے ۔

حضرت مولانا کی وفات سے ہندوستان کا ایک گوہر گراں مایہ کھو گیا ہے جس کا بدل مشکل سے دستیاب ہوگا ۔ لیکن خدا کا فضل ہے کہ ان کی تعلیمات اب منضبط کی جا چکی ہیں اور ان کا پورا پروگرام ان شاء اللہ جاری رہے گا ۔"

۹۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے انتقال کا ہندو مسلم اخبارات نے زبردست ماتم کیا ، اداریے لکھے ، مضمون شائع کیے اور مختلف سیاسی ، سماجی ، انجمنوں اور دینی مدرسوں نے اپنے خصوصی اجلاسوں میں تعزیت کی قراردادیں پاس کیں ۔ یہاں مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب کا وہ مضمون پیش کیا جاتا ہے جو انھوں نے بطور لیڈنگ آرٹیکل انقلاب کے ۲۷ اگست کے شمارے میں شائع کیا تھا :

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم و مغفور

"عمرہا چرخ بہ گردد کہ جگر سوختہ
چوں من از دودۂ آتش نفساں برخیزد"

مولانا عبیداللہ سندھی ہمیں داغ مفارقت دے کر اُس قافلے میں جا ملے جو عملی زندگی کے ابتدائی دور میں ان کے محترم استاد اور محبوب رفقا پر مشتمل تھا ، شیخ الہند مولانا محمود حسن ، مسیح الملک حکیم اجمل خاں ، ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری ، مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی رحمہم اللہ تعالیٰ ، اور ایک ایسی جگہ خالی کر گئے جسے علما یا سیاسیین کے طبقے میں سے کوئی پُر نہیں کر سکتا وہ جلا وطنی کی طویل مدت کو ختم کر کے جب سے ہندوستان آئے تھے ، مختلف لوگوں نے مختلف امور میں ان سے اختلاف کیا ، کسی نے تعلیمات ولی اللّٰہی کے اس خاکے پر اعتراض کیا ، جسے مرحوم سیاسیات و اقتصادیات میں اپنی پارٹی کے مخصوص پروگرام کے طور پر پیش کیا کرتے تھے ، بعض لوگوں نے سمجھا کہ مولانا کے سامنے کوئی معین چیز نہیں ، ان کا دماغ مختلف اوقات میں مختلف تحریکات سے متاثر ہوا اور ان تمام تاثرات کے مجموعے نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے جس پر کوئی گروہ عمل پیرا نہیں ہو سکتا ، بعض اصحاب کو یہ نہایت افسوسناک غلط فہمی ہو گئی کہ مولانا مرحوم خدانخواستہ دیر تک غربت کی تکلیفیں اٹھانے کے بعد کمزور ہو گئے ہیں ، لہٰذا ان کی سیاسیات میں بھی ایک گونہ کمزوری آگئی ہے ؛ یعنی وہ آزادیٔ ہند کے ایسے سرگرم مجاہد نہیں رہے جیسے کہ وہ ۱۹۱۵ء میں تھے

لیکن جن لوگوں کو مولانا کے ساتھ مفصل گفتگوؤں کا موقع ملا ہے۔ وہ گواہی دیں گے کہ مرحوم آخری دم تک ویسے ہی وطنی واسلامی مجاہد تھے جیسے کہ ہندوستان سے قدم باہر نکالنے کے وقت تھے البتہ یہ درست ہے کہ وہ کسی پروگرام کو بت بنا کر ہمیشہ کے لیے اس کی ایک ایک شق کی پوجا کے قائل نہ تھے۔ بدلے ہوئے حالات میں انھوں نے اپنے مقاصد کی پیش رفت کے لیے نیا پروگرام بنایا تھا جس کے متعلق سطحی معلومات پر قناعت کرنے والے غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے رہے۔

جس پروگرام کو مرحوم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے منسوب فرماتے تھے۔ اس کی تفصیلات میں اختلاف ہو سکتا ہے؛ یعنی یہ ممکن ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک مولانا کے تمام انتسابات درست نہ ہوں۔ لیکن خود مولانا جب شاہ صاحب مرحوم ومغفور کی تصانیف سامنے رکھ کر ایک ایک شق کی تائید میں اقتباسات پیش کیا کرتے تھے تو ان کے دعاوی بہت ہی پختہ اور محکم معلوم ہوتے تھے۔ کم از کم شاہ صاحب کی تصانیف پر عبور اور وقت نظر کے ساتھ اس کے مطالعے کی ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ جیسے کہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ومغفور رکھتے تھے۔

پھر اُن کی ملّیت، شانِ ایثار، راہ حق میں دنیوی مالوفات کی ہر شے سے بے پروائی، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو بڑے بڑے قائدوں اور رہنماؤں میں بھی شاذ ملتی ہیں۔ تکالیف کے ہجوم میں بھی ان کے چہرۂ مبارک پر تبسم اس طرح رقصاں رہتا تھا کہ دیکھنے والے کو وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مولانا پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

سچے قائد کی طرح وہ اپنے رفیقوں پر بے حد شفیق تھے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی فرد یا جماعت یا سلطنت کے ممنون نہیں ہوئے ان کی زندگی میں ایسے وقت بھی آئے، جب بڑے بڑے خزانے صرف اُن کے اشارے کے تابع تھے لیکن انھوں نے اپنی ذات کے لیے کبھی کچھ نہ لیا۔ البتہ پیش نظر کام کے سلسلے میں اپنے رفیقوں کی راحت کے لیے وہ ہمیشہ مضطرب رہتے تھے۔

قرآن حکیم کے حقائق پر بڑی وسیع نظر تھی۔ جب کبھی کسی آیت کے متعلق کوئی الجھن ان کے سامنے پیش کی جاتی تو بے توقف نہایت سادہ اور سہل انداز میں اس کا ہر پہلو اذہان از دنہ طرائق پر واضح فرمادیتے، ان کی زبان مبارک سے قرآن حکیم کی مختلف سورتوں یا ٹکڑوں کی تفسیر سُن کر ہمارے دل میں بھی کلام الٰہی کی عظمت کا خاص احساس پیدا ہو جاتا تھا۔

ان کے دادا ہندو تھے۔ والد نے سکھ دھرم اختیار کر لیا تھا، گویا مولانا سکھ پیدا ہوئے: بچپن میں یتیم ہو گئے والدہ نے بڑی محبت سے پالا، مولوی عبیداللہ کی تحفۃ الہند اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان پڑھ کر اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی اس شوق میں گھر سے نکل پڑے۔

اصل وطن سیالکوٹ تھا لیکن گھر سے نکل کر سندھ میں مولانا تاج محمود مرحوم (امروٹی) کے پاس پہنچے تو وہیں کے ہو گئے[1] اور پنجابی ہونے کے باوجود سندھی کہلاتے تھے۔ انھی کے ظلِ عاطفت میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دیوبند میں حضرت شیخ الہند سے تکمیل علوم کی۔ پھر دیوبند ہی میں ایک جماعت کی تنظیم شروع کی پھر دہلی میں مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ جاری کیا۔ ۱۹۱۵ء میں اپنے استاد و مرشد حضرت شیخ الہند کے حکم کے مطابق ہندوستان سے افغانستان پہنچے۔ سات برس وہاں رہے پھر روس چلے گئے۔ جہاں لینن، اسٹالن اور بالشویزم کے دوسرے اکابر سے گفتگوئیں ہوتی رہیں[2]۔ اس کے بعد مختلف یورپی ممالک سے ہوتے ہوئے ترکی گئے، پھر اٹلی پہنچے، وہاں سے حجاز تشریف لے گئے اور وطن واپس آنے کی اجازت ملنے تک مکہ معظمہ ہی میں رہے۔

ترکِ وطن سے پیشتر شادی کی تھی۔ دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں پھر اہلیہ محترمہ اور ایک صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ دوسری صاحبزادی بفضل خدا حیات ہیں۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء مولانا کی تاریخ پیدائش تھی۔ بہتر برس اور چند ماہ کی عمر پائی۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد اگرچہ کمزور ہو گئے تھے، لیکن حرارت و جوشِ عمل کا یہ عالم تھا کہ کوئی نوجوان بھی بہ مشکل ان کی سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

چند ماہ پیشتر لاہور تشریف لائے تو وعدہ فرمایا تھا کہ دو تین ہفتے یہاں مقیم رہ کر اپنے پروگرام کی ضروری چیزیں سمجھا دیں گے۔ پندرہ بیس روز کے بعد ایک عزیز دوست سے ملنے کے لیے انجمن خدام الدین

---

[1] مولانا سندھی مرحوم پہلے بھرچونڈی شریف میں مولانا محمد صدیقؒ کے پاس گئے تھے، پھر ان کے خلیفہ مولانا تاج محمود کے پاس امروٹ شریف گئے، کچھ عرصہ وہاں پڑھا بعدہٗ پنجاب کے کئی مقامات پر عربی کی ابتدائی کتابوں کی تکمیل کے بعد دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہند کے تلامذہ کے سلسلۃ الذہب میں شامل ہوئے تھے (ا۔س۔ش)۔

[2] جہاں تک میری معلومات ہیں مولانا سندھی مرحوم کی ملاقات لینن اور اسٹالن سے نہیں ہوئی تھی اگرچہ بعض حضرات نے ایسا ہی لکھا ہے۔ البتہ وزیر خارجہ چیچرن اور پارٹی کے دوسرے اکابر سے مولانا مرحوم کی ملاقاتیں ہوئیں تھیں (ا۔س۔ش)۔

کے دفتر میں گیا تو معلوم ہوا کہ مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں، لیکن بیمار ہیں۔ دو گھنٹے تک پاس بیٹھا رہا۔ ایک تحریر سنائی جس کے فقروں پر بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔ اس وقت بھی فرمایا کہ دہلی اور سندھ ہوتے ہوئے لاہور آؤں گا۔

اس دنیا میں یہ آخری ملاقات تھی۔ پندرہ بیس روز ہوئے ان کی ایک مطبوعہ تقریر موصول ہوئی جس کے لفافے پر پتا انھوں نے خود لکھا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ رعشہ زدہ ہاتھ اب قلم گیری میں بھی تکلیف محسوس کر رہا ہے پھر دفعۃً اطلاع ملی کہ مولانا سخت بیمار ہوگئے ہیں اور حالت نازک ہے آخر وہ مقدر سانحہ بھی پیش آ گیا جو ہم سب کو پیش آتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبید اللہ سندھی دور حاضر کے بہت بڑے عالم، بہت بڑے سیاستدان اور بہت بڑے قائد تھے۔ عام لوگوں کے شیوؤں سے کام لے کر ہر دل عزیزی پیدا کرنے پر کبھی راضی نہ ہوئے۔ اس لیے عام نقطۂ نگاہ کے مطابق قدر و منزلت عامہ کا وہ مقام حاصل نہ کر سکے جس کے وہ ہر اعتبار سے اہل تھے۔ لیکن واقف کار اصحاب کی نظروں میں وہ دور حاضر کے مخصوص علماء میں سے تھے۔ زندگی کے ایسے بیش بہا جواہر اس دنیا میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ ان کی فطری سعادت کا اس سے بڑا اور دلکش تر ثبوت اور کیا ہوگا کہ ایک سکھ گھرانے میں جنم لیا، لیکن اسلام کے ایک بلند منزلت عالم، قائد، مفکر، مدبر اور مجاہد کی حیثیت میں واصل بہ حق ہوئے اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے مرقد مبارک کو انوار رحمت کی بارش سے منور رکھے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۳۱ اگست کے انقلاب میں مفتی ضیاء الحسن صاحب کا مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا:

مولانا عبید اللہ سندھی کا انتقال

"مفتی ضیاء الحسن صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم مجلس کا بیان درج ذیل ہے:

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے انتقال کی افسوس ناک خبر سے دل و دماغ پر بجلی سی گر گئی۔ مولانا سے محترم اسلامیان ہند میں علم و عمل کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور تمام عالم اسلام آپ کے علمی کمالات اور بلند پایہ نادر تحقیقات کا معترف تھا۔ ہندوستان میں قرآنی علوم

کی نشر و اشاعت اور قرآن فہمی کا جو مخلصانہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے وہ تمام تر آپ کی مبارک سعی کا ثمر ہے عملی اعتبار سے بھی آپ اسلامی دنیا کے مجاہد تھے۔ ہندوستانی علماء میں آزادی کی روح پھونکنا آپ ہی کا کام تھا۔ ہندوستان کی سب سے بڑی انقلابی تحریک کی آپ نے رہنمائی کی اور اس سلسلے میں آپ کی زندگی بہترین نمونہ ہے اور ملک و ملت کے لیے آپ نے بے پناہ مصائب و مشکلات برداشت کیں ہیں۔ ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ کے انتقال سے صرف اسلامیانِ ہند ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کو جو شدید نقصان پہنچا اس کی تلافی صدیوں میں نہیں ہو سکتی اب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی زندہ جاوید تعلیم قبول کریں اور مرحوم کے لیے بصمیم قلب خداوند کریم سے دعا کریں کہ آپ کو اعلیٰ علیین میں بلند درجات عطا فرمائے۔

بقیہ : امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اور محمد امین خان عبیداللہی

ایسا نہیں تھا کہ میں اُن سے متاثر نہ ہوتا۔ ان کی جگہ میرے دل میں بن گئی۔ یہ الفاظ میرے قلم کی رواداری کا تقاضا نہیں میرے دل کی آواز ہیں۔

ان کی زندگی اور افکار کے بارے میں یہ چند اشارات ہیں اور اُن معلومات پر مبنی ہیں جو چند ملاقاتوں میں خود مرحوم سے حاصل کی تھی۔ ان میں بیان کی تاریخی اہمیت اور صحت کا کریڈٹ خان مرحوم کو ملنا چاہیے۔ البتہ ترتیب و تہذیب مضمون اور اسلوبِ تحریر میں جو خامیاں رہ گئی ہیں، اُن کے لئے اس ناچیز کا قلم ذمے دار ہے۔